بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ریلوے کے ایک ڈویژن کا کسی ایک اسٹیشن پر خاتمہ ہوتا ہے اور وہاں سے نیا ڈویژن شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں عملہ تبدیل ہوتا ہے ــــ بعض اوقات انجن بھی۔ بڑی تبدیلی ریلوے گارڈ کی تبدیلی ہوتی ہے۔ پیچھے سے کئی گھنٹے کی ڈیوٹی دے کر آنے والا گارڈ بڑی خوش و خرم حالت میں نئے آنے والے تازہ دم گارڈ کو سبز جھنڈیوں، بتی، سیٹی اور چابیوں کے علاوہ کاغذات کا چارج دیتا ہے اور سلام کہہ کر اس طرح باہر کو لپکتا ہے "جیسے کہ جان بچی اور لاکھوں پائے"۔

اور نئے گارڈ کے انتظام میں گاڑی اپنے مقررہ وقت پر، مقررہ راستے اور رُخ پر اور اپنی مقررہ منزل کی جانب روانہ ہو جاتی ہے۔

نہ جانے والے گارڈ کو کوئی صدمہ کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے یا وہ سوچے کہ کسی کو جرأت کیوں ہوئی کہ مجھ سے چارج لے، میں اس سے سمجھوں گا۔

نہ آنے والے گارڈ میں کوئی شائبۂ فخر کہ بڑا مرتبۂ کمال ہاتھ آیا۔ نہ جانے والے سے اظہارِ افسوس کرنے والوں کا کوئی ہجوم، نہ آنے والے کے لیے تحسین و تبریک کے نعرے۔

نہ مسافروں میں کوئی ہل چل، نہ کسی طرح کا مظاہرہ، نہ کوئی جلوس، نہ اخباری بیان بازی، نہ تصویریں اُٹھا اُٹھا کر کسی کی حمایت اور نہ کسی کی مخالفت۔

مگر سیاست میں اس طرح ڈیوٹی بدلی (CHANGING GUARDS) نہیں ہوتی۔ حکومت کی وزارتیں ہوں یا انتظامی عہدے یا پارٹیوں کی لیڈرشپ یا انتخابات میں منصبِ نمائندگی

کا حصول ۔ بڑی سازشیں ہوتی ہیں ، جوڑ توڑ ہوتے ہیں ۔ لپا ڈگی تک بھی نوبت پہنچتی ہے ۔ اخباروں کے صفحات عہدہ طلبوں کی خبروں سے بھر جاتے ہیں ۔

سیاست کے اس گندے کھیل کی مغربی روایات کو توڑ کر نیا دروبست اسلامی اصولوں پہ استوار کرنے کا تجربہ جماعتِ اسلامی نے شروع کیا ۔ اور دوسرے مختلف پرافادیت نظائر کے علاوہ جماعتی عہدوں کے انتخاب میں بھی ایسا طرز اختیار کیا کہ نہایت صاف ستھری ، صحت مند ، اور مثبت فضا پیدا ہوگئی ۔

حال میں مرکزی امارت کے انتخابات ہوئے ۔ کوئی امیدوار نہ بنا ، کسی نے پروپیگنڈہ نہ کیا ، کوئی لٹریچر کسی کی حمایت و مخالفت میں شائع نہ ہوا ، کوئی جھنڈے نہیں ، تصویریں نہیں ۔ مجلس شوریٰ نے اپنی مرضی سے تین نام ارکانِ جماعت کے سامنے رکھ دیئے کہ چاہیں تو ان میں سے کسی کو ووٹ دیں اور چاہیں تو کسی بھی دوسرے شخص کو ووٹ دے سکتے ہیں ۔ اس انتخاب کے موقع پہ چونکہ ہمارے بزرگ رہنما میاں طفیل محمد صاحب نے اپنی صحت کی بنا پہ تمام ارکانِ جماعت کو خط لکھ کر ان سے درخواست کی تھی کہ مجھے معذور سمجھا جائے ۔ اب میں امارت کی ذمہ داری کا حق ادا نہیں کر سکتا ۔ لہٰذا ان کی صدق دلانہ اپیل کی وجہ سے ان کو ارکان نے " بارِ امانت " اٹھانے پر مجبور نہیں کیا ۔ اس طرح میاں صاحب نے ایک روشن مثال قائم کر دی کہ جماعت میں پُر زور حامیانہ فضا کے موجود ہوتے ہوئے انہوں نے " کرسی " کے ساتھ تادمِ آخر چمٹے رہنا پسند نہیں کیا ۔ میرا خیال ہے کہ میاں صاحب کا یہ عالی ظرفانہ رویہ حکومت اور پارٹیوں کے عہدہ داروں کے لیے اپنے اندر مؤثر سبق رکھتا ہے ۔

مجلسِ شوریٰ کے مقرر کردہ ناظم انتخاب (برائے امارت ۱۹۸۷ء) نے ضلعی نظاموں کی معرفت ہر رکن کو پرچہ رائے دہی بند لفافے میں پہنچا دیا ۔ پھر ہر رکن نے مقررہ تاریخ تک اپنی رائے درج کر کے واپس پہنچا دی ۔ ناظم انتخاب نے دو ارکانِ شوریٰ کی موجودگی میں ووٹوں کی گنتی کی اور مقررہ تاریخ تک نتیجے کا اعلان کر دیا ۔ جماعت کے اکثریتی ووٹ قاضی حسین احمد صاحب

کے حق میں آئے اور وہ پانچ سال کے لیے جماعت کے امیر قرار پائے۔ حلف برداری کی تقریب ۶ر نومبر ۱۹۸۷ء کو منعقد ہوئی۔ اور نیا دورِ امارت باضابطہ طور پر شروع ہو گیا۔

آج جب کہ تحریکِ اسلامی کے گارڈ بدل گئے ہیں، گاڑی اپنے وقت پر اور اپنے راستے پر، طے شدہ منزل کی طرف ایسے جاری ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی تاریخی واقعہ پیش آیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ رحمت و سعادت اور خلفائے راشدین کے عہدِ خیر و برکت میں یہی صورت تھی۔ جو شخص موزوں تر ہوا، عوام نے اس کی بیعت کی اور دینی اصولوں کے مطابق سیاست و معیشت کا سارا نظام بخوبی چلتا رہا۔ کبھی کوئی مخالفانہ مظاہرہ نہیں ہوا، نہ کوئی جلوس نکلا، نہ واہیات نعرے گونجے، نہ کوئی کھسر پھسر ہوئی۔ یہی اسلامی جمہوریت کا منشا ہی یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً جزوی یا جامع تبدیلی کو تو آنا ہی ہوتا ہے۔ مگر وہ آئے تو پُرامن طریق سے آئے۔ رایوں اور دلائل کے بَل پر آئے۔ مسکراتی فضا میں آئے، رواداری کی شان اور اتحاد و یگانگت کا رنگ لے کر آئے۔

جب تک مسلم معاشرہ سیاسی امن و اخوت کے قابل رہا اُسے یہ نعمت حاصل رہی۔ جب اہلیت ختم ہو گئی تو بادشاہت نے تخت بچھا لیے اور ظلم کے کوڑے حرکت میں آگئے۔

ہم لوگوں کی تربیت قرآن و حدیث کے سایۂ مبارک میں ہوئی اور ہمارا ذوقِ اجتماعیت اس طرح کا بنا ہے کہ ہم ہر اس شخص کے ساتھ (بلا کسی نزاع کے) دلی تعاون کرتے ہیں جو دینی (اور دستوری) لحاظ سے جائز طور پر صاحبِ امر قرار پائے۔ کوئی سوال نسب کا، علاقے کا، مالی حیثیت کا اور دوسرے ظاہری مؤثرات کا نہیں ہے۔ اور ہم لوگوں کی تربیت یوں بھی ہوئی ہے کہ اپنے سابق امرا یا عہدہ داروں اور غیر عہدہ دار بزرگوں اور اہلِ علم اور اصحابِ خدمات و کردار کا ادب و احترام پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔

ہماری تربیت ایسی ہے کہ ہم اپنے امیر اور قائدین کے لیے بڑی محبت اور خیر خواہی

رکھتے ہیں لیکن نہ کسی عہدے کی پرستش کرتے ہیں اور نہ اپنا کوئی مفاد حاصل کرنے یا "نمبر بنانے" کے لیے ان کے گرد طواف کرنا اور خوشامدی ذہنیت سے کام لینا درست سمجھتے ہیں۔ بس جو رشتہ ہے وہ محبتِ خدا و رسولؐ اور قانونِ خدا و رسولؐ کے تحت ہے۔

حدیث کی رُو سے اسلامی نظامِ جماعت (و نظامِ معاشرہ) کے اہلِ امر کے معیار کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ: تُحِبُّوْنَهُمْ وَ يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ (مسلم) یعنی تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعائے رحمت کرو اور وہ تمھارے لیے دعائے رحمت کریں۔

یہ ہے اسلامی جمہوریت کی طرف سے قیادت کا دیا ہوا معیار۔ اس کے برخلاف آج اربابِ قیادت چاہے پھولوں کی سیجوں پر بیٹھے ہوں، ان کے چاروں طرف بدگمانی، بدگوئی، سب و شتم اور بُرے بُرے چرچوں بلکہ مظاہروں تک کے نکیلے کانٹے بچھے رہتے ہیں۔ آج کل کا نظامِ قیادت پورے معاشرے کو نہ صرف سیاسی لحاظ سے بلکہ عام فضا کے لحاظ سے گندہ کر دیتا ہے۔

سچے مسلم معاشرے میں امارت کے معنی ایک بھاری بارِ امانت کو اُٹھانے کے ہیں جو خدا کی طرف سے بھی امانت اور اس کے بندوں کی طرف سے بھی امانت اور اس امانت کی آخرت میں سخت جواب دہی۔ کسی امیر یا صاحبِ منصب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تم نے قرآن و حدیث سے فلاں مفہوم کس دلیل سے اخذ کیا اور لوگوں کو ایسا اور ایسا حکم کیوں دیا۔ کسی فرد پر کوئی جانی و مالی بار اگر اس کے احوال کے لحاظ سے زیادہ پڑا تو ایسا کیوں ہوا۔ لوگوں میں اگر اختلافات پھیلے، اگر ان کا اتحادِ فکر و نظر خراب ہوا۔ اگر ان کو صحیح جادۂ اقدام کے متعلق مغالطے لاحق ہو گئے یا وہ ڈھیلے پڑ گئے، جمود میں مبتلا ہوئے یا مایوسی کا شکار ہونے لگے تو ان سارے نقصانات میں تمھارے طرزِ عمل کا کیا حصّہ ہے وھلم جرا۔

اسلامی تصورِ امارت و قیادت میں تقدس کے ساتھ جو ذمہ داری پائی جاتی ہے اس کا اندازہ دو مختصر احادیث کے اقتباسات سے کیجیے۔

ا- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کسی منصب کی درخواست کی تو حضورؐ نے

فرمایا: اے ابوذر تم کمزور ہو، اور یہ مناصب (بھاری) امانت ہیں اور یہ قیامت کے دن سخت رسوائی اور پشیمانی کا باعث ہوں گے ــــ مستثنیٰ ہیں وہ لوگ جو مقررہ جائز طریق سے انہیں حاصل کریں۔ اور ان کے تحت جو ذمہ داریاں ان پر آتی ہیں اُن کو پوری طرح ادا کریں"۔

۲ ــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ تم لوگ حصولِ امارت و قیادت کی حرص کرو گے اور قیامت کے دن یہ تمہارے لیے ندامت کا باعث ہوں گے۔

ایسی ہی اسلامی امارت و قیادت کے لیے اطاعت فی المعروف کا بھی شدید حکم ہے۔

ان روایات پر نظر جاتی ہے تو آدمی لرز اُٹھتا ہے کہ امارت وقیادت کے ثواب کے زیادہ ہونے کے ساتھ اس کا حساب کتاب کتنا سخت ہے مثلاً حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز اپنے خیمے میں داخل ہوئے تو خادمہ نے (جسے بعد میں انہوں نے آزاد کر دیا)، نے ان کے بشرے کو دیکھ کر کہا: "آپ شاید متردد ہیں"؟ بولے "یہ تشویشناک بات ہی ہے، مشرق و مغرب میں اُمتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پہ حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ و اطلاع اس کا ادا کرنا مجھ پہ فرض نہ ہو"۔[1]

پھر کام اس انہماک سے کیا کہ "ان کی مشغولیت کو دیکھ کر بعض لوگ ترس کھاتے تھے۔[2]

اس موقع پر میں دورِ جدید کے اس غیر اسلامی تصورِ قیادت کی تردید کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جس کے لیے نوجوان قیادت کا ایک سلوگن ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اسلام نے شعور صرف صالح قیادت کا دیا ہے۔ اور اس میں اچھے جسمانی قویٰ کے ساتھ علمی برتری کو ضروری قرار دیا ہے۔ (وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ) واضح رہے کہ "علم" جس کا غالب پہلو علمِ حق اور علم ہدایت ہے، کو کفار کے خلاف مسلمانوں کے غلبے

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ از مولانا عبد السلام ندوی ص ۲۲

[2] ایضاً ص ۱۵۰

کا ایک سبب بھی قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح خداوند تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم یا انسانوں کو جو قیادت تفویض کی جاتی ہے اس کے لیے بھی معیار یہ ہے کہ فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (القصص-۱۴) پھر جب وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کے اعتبار سے تکمیل کو پہنچ گیا اور توازن و اعتدال سے آراستہ ہو گیا۔ حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (الاحقاف-۱۵) اس آیت میں اوسط زمانۂ تکمیل کا خطِ ابتدا بھی معلوم ہو گیا۔ اور وہ ہے چالیس سال[1]۔ اس عمر میں قوتیں، عادات، ذوق، رجحانات ساری چیزیں ایک معیار کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر آگے دس بیس سال تک ان میں نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ یونس کی آیت ۱۶ کے یہ الفاظ بھی بڑے اہم ہیں۔ جو حضورؐ کی زبان سے مخالفینِ اسلام کے سامنے ادا ہوئے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ یعنی مجھ پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ سوچو کہ "میں تمھارے درمیان ایک دَورِ عمر اس سے قبل گزار چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"

مراد یہ ہے کہ امارت و قیادت کے لیے صرف ایسے لوگ موزوں ہو سکتے ہیں، جو کسی معاشرے میں ایک وسیع دَورِ عمر گزار چکے ہوں اور اس دوران میں ان کے خیالات، ان کے جذبات، ان کے ذوق و شوق، ان کی تمنائیں، ان کے دوست احباب، ان کے مشاغل سب سامنے آچکے ہوں اور لوگ ان کے متعلق ایک ٹھوس رائے قائم کرنے کے قابل ہوں۔

مغربی تہذیب کا یہ دَور چونکہ جدت طرازیوں کا زمانہ ہے۔ اس لیے نئے نئے شوشے پہلے دُور پار سے اُٹھتے ہیں۔ پھر وہ ہمارے معاشرے میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر وہ خود ہم جیسے محبانِ دین کو بھی پسند آنے لگتے ہیں۔ جن کا اپنا نظامِ معیار و اقدار ہے۔

دیکھ لیجیے، اس دَور میں جہاں کہیں نوجوان قیادت کا تجربہ ہوا اور جہاں بھی معاملات

---

[1] یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص جو چالیس سال کی عمر گزار لے وہ قیادت کا اہل ہو جائے ــــ دارومدار قوتوں اور صلاحیتوں کی معیاری نشوونما اور ذہنی توازن و اعتدال پر ہے، جن کے ساتھ علم اور حکم کی ذمہ داریاں چل سکتی ہیں۔ (ف۔ ر)

نوعمروں کے ملاحظہ آئے ہیں وہاں حالات ابتر ہو گئے ہیں۔ مثلاً انڈیا کی نوجوان قیادت کا حالِ زار دیکھ لیجیے اور اس کے اثرات جو قوم پر پڑ رہے ہیں وہ بھی بغور ملاحظہ کیجیے ۔ فلپائن میں اکینو کے تجربے کو دیکھیے، اور اسی طرح تاریخِ ماضی و حال میں اور بھی نمونے زیرِ نظر لائیے۔

یہ تو خدا کا شکر ہے کہ اسلام ذہنی تربیت ایسی کرتا ہے کہ مسلمان نوجوان کبھی خودسر نہیں ہوتے، اپنے بزرگوں کے ظاہری ادب و احترام ہی کا خیال نہیں رکھتے، ان کے علم و تجربہ کا بھی لحاظ کرتے ہیں۔ اور بڑے ان کو جس چیز سے روکیں، اس سے وہ رُک جاتے ہیں اور جس چیز کے لیے وہ متوجہ کریں اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ ہے مسلمان نوجوانوں کی ساخت۔ اس روش سے ہٹ کر جو نوجوان معاشرے کی یونیورسٹیوں اور اس کے اداروں میں پائے جاتے ہیں، وہ جہاں بھی ہوتے ہیں بھینسوں جتنی مولی انا اور اپنی ضد اور جدت طرازی اور بغاوت پسندی کی وجہ سے طرح طرح بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں۔

ہم پر اللہ کی مہربانی ہے کہ ہمارا جماعتی نظام امارت و قیادت کے انتخاب میں بہت اچھا نقطۂ نظر رکھتا ہے۔

سو جو تبدیلی ہمارے ہاں آئی ہے، خدا اُسے ہمارے لیے مبارک کرے، جماعت کا نظم مضبوط ہو، تحریک کی دعوتی رَو تیز تر چلے اور اللہ کی رہنمائی و مدد نئے دَورِ قیادت و نظم پر سایہ افگن رہے۔

میاں صاحب امارت کے منصب پر نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے بے حد محترم بزرگ اور جماعت کے اکابر کے لیے نہایت مخلص مشیر اور کارکنان کے لیے باعثِ تقویت ہیں۔ خدا ان کو مزید صحت اور قوتِ کار دے۔ آمین۔